مثنوی سرودِ بیخودی

از

ڈاکٹر عشرت انور

قیمت دو ۲ روپے

ہر کسے از یک خودی در صد محن
خوش بروں آ اے ز تاریخ کہن

(اقبالؒ)

ملنے کا پتہ

ڈاکٹر عشرت حسن انور ۴ حالی روڈ
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

تعداد طباعت ۵۰۰ آگرہ اخبار پریس آگرہ طبع شد سنہ اشاعت ۱۹۵۴ء

فہرست مضامین

پیش کش

بحضور

سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ سنجری اجمیری

خراب نرگس مستانۂ توام کہ نہد

ہزار شیوۂ مستی بطبع ہوشیاری (عرفی)

گدائے در

احقر

عشرت انور

دیباچہ

یہ مثنوی اقبالؔ کے فلسفۂ خودی کے جواب میں لکھی گئی ہے، مقصود اس کا کسی طرح بھی بیان حسن طبیعت نہیں بلکہ گذارش احوال واقعی کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہے،

اس سے اگر آئندہ کیلئے آئندہ آنیوالوں اور کام کرنیوالوں کی کوششوں سے ایک نئے طرز فکر کی بنیاد پڑ سکے تو میں اس محنت کو محنت بے فائدہ نہ سمجھونگا اور لذت در تمام میں بھی لذت احسان مندی محسوس کروں گا۔

زندگی ابتدائی منازل میں فی الحقیقت خودی، خودبینی، خودشناسی، خود آگاہی اور خودپرستی وغیرہ پر منحصر ہے، اور ایسا ہونا ہی آئندہ مراتب اور ارتقاء کا موجب ہوتا ہے لیکن اگر اس کی کل وسعتوں کا اندازہ کیا جائے اور اسکی تمام ارتقائی منازل کا صحیح طور پر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو کہ ارتقائی منازل میں قدم قدم پر خودی فنا ہو کر بیخودی کے لئے راستہ پیدا کرتی ہے، شاید یہ اسی حقیقت کا ادراک تھا جس نے اقبالؔ کو اسرار خودی کے بعد رموز بیخودی لکھنے پر مجبور کیا۔

نیطشے نے عیسائیت کے خلاف فلسفۂ خودی کی اس لئے تلقین کی تھی کہ یورپ کے مردہ جسم میں زندگی کا نیا خون دوڑ سکے اور یہ حقیقت ہے کہ خودی کا فلسفہ زندگی کی گرمی پیدا کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے بھی۔ لیکن پھر بھی زندگی کے لئے خودی ہی عین مقصود نہیں اور نہ ہونا چاہئے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کھانا پینا زندگی کیلئے ازبس لازم ہے اور اسکے بغیر قیام زندگی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر یا ایں ہمہ اکل و شرب ہی زندگی کی غرض و غایت نہیں ہے اور نہ ہونا مناسب ہے۔

نیطشے کے فلسفہ میں بنی نوع انسان کے لئے جو جانکاہ اثرات مضمر تھے ان کا

گزار سکے اور ایک ایسا نظام عالم وجود میں آئے جہاں انسان صرف انسان بنکر رہ سکے
سیاست، تاریخ، و دیگر تمام مذاہب کا حوصلہ بھی کچھ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے معلوم
ہوتا ہے لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ اس منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے کتنے ادوار اور
منازل سے گذرنا پڑے گا۔

ہاں اُس نئے نظام کے فروغ، ارتقاء اور استحکام کے لئے نئے تجربات اور
اخلاقی نظریات کی ضرورت پڑے گی اور یہ دیکھنا لازم ہوگا کہ کونسے اصول ایسے ہیں جو
انسان کو اس بلند مقام پر لے جانے اور برقرار رکھنے کے ضامن ہو سکتے ہیں، یہاں پر
اسلام (بقول محققین) بوجہ اپنی جامعیت ایک ایسا نظام زندگی نظر آتا ہے کہ جسکی طرف
انسان آج نہیں تو کل ضرور متوجہ ہوگا۔

اس طرح ہمارے نزدیک اسلام ایک ایسا نظام فکر و عمل ہے جسکی ضرورت انسان کو
ہمیشہ سے ہے اور شاید ہمیشہ رہے گی، یہ کوئی ساکت، صامت اور ارتقاء کے منافی نظام
زندگی نہیں ہے بلکہ زندگی کے لئے بیک وقت مثل نشان منزل اور رہین منزل کے ہے۔

خودی کو بنیادی اصول قرار دینے کے بعد کسی وسعت خیال اور وسعت نگاہ کی
گنجائش باقی نہیں رہتی اور ہزار ہا قسم کے تنازعات کے راستے بنی نوع انسان کے لئے
کھل جاتے ہیں، اس طرح انسان خود بے مدی کے مختلف نظریات میں ہمیشہ کے لئے گرفتار
رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے (اگرچہ ایسا ہونا بعض مادّی لحاظ سے فائدہ مند اور نفع رساں
ضرور ہے) اور کبھی بھی غیر خود کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اور وہ بین الاقوامی نظام حکومت
جس کے واسطے انسان صدیوں سے گوش بر آواز بیٹھا ہے (اور زمانۂ حال میں اسکی ضرورت
اور بھی محسوس ہو رہی ہے) وجود میں نہیں آسکتا، لیکن اگر تمام خلوص اور یک جہتی کیساتھ
تمام نظام فکر و عمل میں انقلاب پیدا کیا جائے تو ممکن ہے کہ کچھ سال یا صدیوں بعد انسان
بجائے ملک و ملت کے صرف ملت انسانی کا ایک رکن بنکر رہ سکے اور بجائے خودی کے

اظہار نیطشے کی موت (۱۹۰۰ء) کے چودہ پندرہ سال کے عرصہ ہی میں اس طرح ہوا کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عالمگیر نے انسانیت کے ساتھ ساتھ انسان کو بھی ختم کر دینے کا حوصلہ بلند کیا۔

اس "مجذوب فرنگی" کے فلسفہ کے سمیات کا اثر ۱۹۱۹ء تک ہی ختم ہو سکا بلکہ ۱۹۳۹ء میں پھر ہی نوع انسان کے لئے ایک دوسرا خطرہ درپیش ہوا جس کے اثرات سے آجتک کلی طور پر نجات میسر نہیں ہو سکی ہے اور بار بار دیگر خطرہ ہے کہ آئندہ چلکر "اٹم بم" یا "ہائیڈروجن بم" کے ذریعہ ہی نوع انسان کا خاتمہ ہو جائے۔

اقبالؒ نیطشے کے فلسفہ کے خطرناک نتائج کو پورے طور پر سمجھتے تھے اور شاید اسی لئے کہ خودی کے فلسفہ سے اسکے خطرناک اثرات زائل کر سکیں ان کی آخری وقت تک یہ کوشش رہی کہ "خودی کو مسلمان" بنا سکیں اور اسمیں وہ ظاہری طور پر کسی قدر کامیاب بھی معلوم ہوتے ہیں چونکہ انہوں نے خودی کو "احکام الٰہیہ" کا پابند بنایا۔ یہاں اقبالؒ غیر شعوری طور پر بجائے خودی کے "بیخودی" کی تلقین کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں چونکہ خودی کو تابع بنانا حقیقت میں بیخودی کی طرف مائل ہونا اور خودی کی نفی کرنا ہے۔

لیکن اقبالؒ بعض مصالح کے تحت اس کا اقرار کرنے سے گریز کرتے ہیں اگرچہ ان کے رجحانات ان کی اگلی مثنوی "رموز بیخودی" میں بالکل واضح ہو جاتے ہیں، اس مثنوی میں وہ افراد کے لئے یہ بھی متعین کرتے ہیں کہ وہ اپنی خودی کو ملت کی خودی میں گم کر دیں۔

لیکن یہاں تک پہنچنے کے بعد بھی مقصد بر آری نہیں ہوتی اور بنی نوع انسان کو خودی کے فلسفہ سے جو تمام خطرات پہلے لاحق تھے وہ اب بھی من وعن باقی رہتے ہیں چونکہ ایک ملت بحیثیت ملت وفکری اعتبار سے دیگر ملل سے درپئے تنازعہ اور تضاد ہے۔

چنانچہ ایک اور قدم آگے بڑھنے کی ضرورت تھی اور اقبالؒ نے شاید مصلحت وقت کے تحت آگے بڑھنے سے گریز کیا

بنی نوع انسان کے ارتقا کے لئے از بس لازم ہے کہ انسان بے تمیز "ما" و "تو" زندگی

ہمارے حقیر خیال میں روحِ اسلام سرکارِ دو عالم کے قلب کی ایک مخصوص حالت ہے جسکو ہم لفظ و بیان کی مجبوریوں کی بنا پر آج صرف نہایت محبت، رأفت، شفقت کے الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، لیکن ان الفاظ کا دائرہ مروجہ الفاظ سے بہ نہایت وسیع ہونا ضروری ہے،

اب جو شخص رسولِ مقبولؐ کی اس مخصوص قلبی حالت سے جس قدر قریب ہے۔ اسی قدر مسلمان ہے، اس طرح اسلام میں ارتقاء اور فروغ کی ہمیشہ گنجائش ہے اور ہر ایک فرد بقدرِ ذوق طلبِ محبت میں تشنۂ محبت ہونے کی بنا پر منزل پر نہیں بلکہ راہِ منزل میں ہے، اور یہ ایسی منزل ہے کہ جس قدر اس کے قریب تر جاؤ اسی قدر حوصلۂ منزل اور بڑھتا ہے اور دوریٔ منزل اور بھی نمایاں معلوم ہوتی ہے۔

احقر

عشرت انور

شراب بیخودی سے مست و مسرور نظر آئے۔

اسکے متعلق آج پیشین گوئی کرنا شاید قبل از وقت ہوگا، ہاں مستقبل ہی میں معلوم ہو سکے گا کہ نوعِ انسان آگے چلکر کس شاہراہ پر گامزن ہوتی ہے اور کس قسم کے انسان کو منظر نحصن دیکھنی اور اپنی رہنمائی کے لئے تلاش کرتی ہے آیا اسکو جو پروردۂ خودی ہے یا اُسکو جو مست بیخودی ہے اور بنی نوعِ انسان کی محبت میں ملکی، ملّی امتیازات سے اپنے کو پاک صاف کر چکا ہے، یہ موخرالذکر راستہ ازبس خطرناک ضرور ہے مگر انسان کو ارتقاء کی آخری منازل طے کرنے میں ممکن ہے اس پُرخطر رہگذر سے بھی گذرنا ازبس لازم ہو۔

بعض صوفیائے کرام کی زندگی میں بالخصوص خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیریؒ کی سوانح مبارکہ میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے رجحانات کو بخوبی سمجھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آخر میں مقصود کیا ہے اور یہ کہ یہ ظاہری تیرماؤ تو زندگی کو ایک مخصوص منزل تک لے جانے کے لئے تو ضرور معاون ہے مگر اس کے آگے اگلی اور ارفع منازل کو طے کرنے میں مانع ہے۔

صدیوں کے تجربات اور جستجو کے بعد قوی امید ہے کہ انسان کسی نہ کسی ایک مرکز پر ضرور آئے گا، اور بعد میں جب جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ؎

یک چراغ است دریں خانہ و از پرتوِ آں

ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

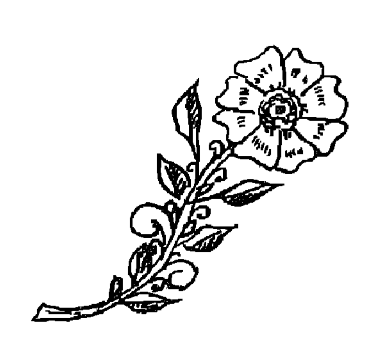
خود سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اس بات کی ضامن ہے کہ اسلام ایک مافوق العادت آفاقی محبت اور اخوت کے مترادف ہے یہ محبت اور رأفت کسی مخصوص فرقہ یا فرد کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ اغیار (اور رحمت اللعالمین کیلئے بوجہ سراپا محبت ہونے کے کوئی غیر نہ تھا) کے لئے بھی اسی قدر قلب کی گہرائیوں سے امڈتی تھی جسقدر کہ اپنوں کے لئے نظر آتی ہے۔

گذارشِ سپاس

بخدمت

حضرت استاد محترم دکتور ہادی حسن مد ظلہ، صدر شعبۂ فارسی دار العلوم علیگڈھ

کعبۂ جاں، اوستاد محترم!
از دل و جاں ہدیۂ پیش آورم
عقل و علم و فضل را معدن شدم
من ز فیضِ لطفِ تو گلشن شدم
اے کہ خاکم شد ز فیضِ تو منیر
در برِ خود سوزشِ جانم پذیر
صبح نوزیں مثنوی گرمی دہد
نام تو من زندہ کردم تا ابد
اے ز تو چوں آب و تابے یافتم
ہر وہ گشتم ترا ہم تافتم



آدمیت را شده تفسیر نو
عالمے را می کنم تعمیر نو
ملت و ملک و وطن سنجیده ام
پرده ہائے زندگی برچیده ام
جان و دل را وسعت عالم خوش است
آدمی را ملتِ آدم خوش است

زانکہ علم و فضل را بر دل زدم[1]
شعلۂ روشن بہ محفل زدم
خاک انساں را شرار آوردہ ام
جانِ دل را نو بہار آوردہ ام
ایں جہانِ کہنہ را فضلے رسید
زندگی را انقلابے شد پدید
نے خودی و خود پرستی نے وطن
نے تمیزِ ما و تو نے ذوقِ من
امتیازِ ملک و ملت سوختم
از محبت عالمے افروختم
از محبت چشمِ آدم تر شدہ
عالمے را عالمِ دیگر شدہ
کشتیٔ انساں بساحل آمدہ
ذوقِ جانش در برِ منزل رسید

[1] اشارہ بشعرِ رومی۔ علم را بر تن زنی مارے بود ۔ علم را بر دل زنی یارے بود

بخوانندۂ کتاب

شاعرِ مشرق[1] نگہبانِ خودی
شیر شرزہ از نیستانِ خودی
جرعۂ چوں از خمِ جاناں چشید
مست شد جز مستیٔ خود کس ندید
داد ما را ذوق ایقانِ خودی
گشت ما را عہد و پیمانِ خودی
از صبوحیٔ خودی پیمانہ داد
مست ساغر زاد میخانہ بباد
در جوابش گفتہ ام ایں مثنوی
مثنوی بیخودیٔ معنوی
فیضِ جاناں پرتوے او را سپرد
او زخود بینی ز روئے خود شمرد

---

[1] ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ

تمہید

ہیچ کس را لذت دیدار نیست
ورنہ جاں را ایں چنیں اسرار نیست
جان ما چوں از پئے جاناں بود
اے چگونہ بر خودی ایماں بود
آنقدر از نور جاں ایماں خرید
آنکہ جاناں دید جان خود ندید
چشم جاں راہست چوں دیدار او
گشتہ در انکار ما اقرار او
من کہ باشم ہیچ در خور اقرار من
می رسد ایں ہم ز فیض ذوالمنن

عاقلاں را فکر ہستی در بغل
عاشقاں مست سبوئے لم یزل
عاقلاں در کار دنیا فکر دیں
عاشقاں را ہر دو اندر آستیں
عاقلاں در سایۂ ایماں روند
عاشقاں اندر پئے جاناں روند
عاقلاں را مصلحت بینی رواست
عاشقاں را دین ایماں بس خداست
شاعر مشرق کہ عاقل بود او
با تمکن زد نوائے ہائے ہو
آنقدر ذوق خودی را پرورید
محو شد از گل و گلشن را ندید
او برائے ملتے ندا رید و بس
نوع انساں جان ما را شد ہوس

پرتوے گر روئے کس روشن کند
او ز روئے خوب لا فے گے زند
گرچہ جاں از نور او جز طور نیست
ہر کسے را دید آں مقدور نیست
عاقلاں را ہست ذوق ضبط خویش
عاشقاں را سر فروشی گشتہ کیش
عاقلاں اندر پئے فرمان دوست
عاشقاں ہر دم ز دل قربان دوست
عاقلاں ہم بہر خود ہم بہر او
عاشقاں را بس فقط "اللہ ہو"
عاقلاں بہر شریعت آمدند
عاشقاں نرد محبت باختند
عاقلاں را خود پرستی و خودیست
عاشقاں را عشق گشتہ زندگیست

اے بہ جانان وقف شد چون جان و تن
می نشد از ما بخود نگریستن
جان ما را نیست مضراب خودی
ما نمی دانیم آداب خودی
شمع جان از بیخودی افروختیم
ہر دو عالم بہر جاناں سوختیم

نوعِ انساں را بہ دل اخگر نہ زد
از خودی بیرون ملت پر نہ زد
زانکہ تابِ جلوۂ آدم نبود ،
پس خودی خویش را نغمہ سرود
پیشِ جاناں ذوقِ خودبینی خرید
جلوۂ خود دید و دیگر کس نہ دید
او ز فیضِ تمکنت سرشار خود
آبروئے جان و دل از ما ببرد
آبروئے جان و دل از بیخودی است
بیخودئ شوقِ ما را زندگی است
اے کہ با ما گر "انا الحق" زندگی است
آں انا الحق ہم ز فیضِ بیخودی است
بیخودی چوں پردۂ ظلمت ربود
از "انا الحق" عینِ حق را وانمود

اے ز لطف خود چناں لطفے فزود
عقل و ایماں جان و دل از من ربود
من ز لطف او ز خود بگذشتہ ام
خستہ و دل دادہ و سرگشتہ ام
سوزش جاں دارم و غمگیں دلم
ہمچو موج مضطرب بے ساحلم
من کہ چندیں پیر کامل دیدہ ام
ہمچو او بے مثل کس نشنیدہ ام
"خواجۂ ما در میان اولیا
چوں محمدؐ در میان انبیا"
آنچناں ذوقے بہا ارزاں فروخت
بیخودی شوق جان و دل بسوخت
از خودی یک دم تشنہ جاں را شود
بیخود و مستم پئے ذوق حضور

حرفے از ذوق و شوق خویش

از نوایم سوز دلہا دیدہ شد
زندگی از بیخودی آزریدہ شد
عشق را من دادہ ام تابے دگر
بیخودی را باز شد آبے دگر
زانکہ آموزیدم آداب جنوں
بیخودی شد زندگی را رہنموں
اے کہ از ذوق جنوں فہم جہاں
می نشد ہرگز مرا از من گماں
خواجۂ سنجر چناں ذوقم فزود
عشق را صد پردہ ہا از من ربود
از فیوض بیخودی دیوانہ ساخت
پیش روئے خود مرا پروانہ ساخت

شد خزان ما ز لطفش نوبهار
"قم باذنی" از جمالش آشکار
از سرود نعرهٔ "الله هو"
مست حق باشیم ما از فیض او
مشت خاکم تا بگیرد ذوق هو
خویش را از خود سپردم بهر او
عشق گر چه بهر او جانم ربود
هدیهٔ ثنا پایان شانش هم نبود
عشق را بهر ادائے جهر او
جان دیگر بهر قربان آرزو
سرکشے را از فریب آشتے
در طواف روئے زیبا داشتے
مسیحیان را در پئے روشے که بود
از سجود نار و آتش در ربود

هم مذاق دیدهٔ جوید نظر
خویش را گم کن پئے ذوق بصر
آنچنان سحر جمال خویش راند
در دلم ذوق مسلمانی نه ماند
آں جمال روکش حسن پری
باز داده شوق کفر و کافری
رونمائے آفتابے روئے او
ماہتابے در کمند موئے او
ہمچو گل در سنبل گیسوئے او
اے خوشا آں رنگ و بوئے روئے او
رونمائے حسن روئے ذوالمنن
آں جمال خواجهٔ رعنائے من
آب حیواں در ظلام چشم او
عشق می نازد به جام چشم او

شکایت درد و محبت آمیز خویش

بحضور

باری تعالیٰ

نازبردار جہان انس و جان

من ز درد خویش گویم داستان

گر بشنوی و مراعات می کنی

بانگ خواہم زد بچرخ چنبری

غمزهٔ و ناز و ادا از سر بگیر

کز نصیبم گوہرے را در بگیر

حسرت و درد و محبت اضطراب

لرزاں لرزاں با تو خوانم ایں کتاب

گر نہ گردد شوق محکوم ادب

از تو می خواہم صلائے بوالعجب

صوفیان دارند از وی ساغری
فیض بخشش ساخت مومن کافری
عشق را از کفر می ناید امان
بیخود و مستم ز فیض بیکران
گر نه رقصم به حجاب بی نقاب
آبروئے حسن خواهد شد خراب
فیض چشم خواجۂ یکتائے من
می رسد از حضرت خادم حسن[۱]

---

[۱] رہنمائے مصنف در طریقت کہ ترک وطن کردہ در ارض پاک اجمیر شریف مقیم اند

۲۵

عاصلاً تخلیق گیتی ذوفن است
فطرت سرشتے بہ طرز احسن است
نغمہ ام لیکن پریشاں آمدہ
اشک رنگینم بہ مژگاں آمدہ

اے کہ من "ظالم" "جھولا" بودہ ام
مرکز تخلیق دنیا بودہ ام
من کہ ویراں، دل تپیدہ خستہ ام
نیک مسجود ملائک گشتہ ام
اے کہ دادی بلبلاں را نغمہ
نغمۂ کز شرم غنچہ در زخمہ
ذوق رقص و بیخودی پروانہ را
نیک عاقل کردہ دیوانہ را
شمع را سوز ہوائے محفلے
در نصیبش نوش و نائے محفلے
موج را باشد چہ بے پروا خرام
زندگی بے محشرے گردد حرام
ساحلے بہم بود وصل موج و آب
ذرہ ذرہ رونمائے آفتاب

اے بسا حسرت کہ داغ دل سپرد
اے بسا غنچہ کہ در گلہا فسرد

اے بسا دل در پئے لطفے بسوخت
چند شیراز و بخارا را فروخت[لہ]

اے بسا از حسرت لعل لباں
جان مضطر بر لبان بے زباں

اے بسا مطرب کہ آتش ریختہ
نغمہا در نالہا آمیختہ

اے بسا مرگ شب ہجراں رسید
اے بسا الماس پہلوئے درید

اے بسا از علم و فن رشتے فرد
وائے گلپا تگے کہ زاں تسکیں نشد

لہ اشارہ بہ شعر حافظ رح۔ اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را
بخال ہندویش بخشم سمرقند و بخارا را

اشکِ خوں بہ یادِ دردِ انساں

اے بسا دلہا کہ در پہلو تپید
اے بسا حسرت کہ با خاک آرمید
اے بسا نغمہ کہ پہلو را نخست
در شکست ساز خود را در شکست
وائے عشقے را کہ اظہارے نگشت
اے بسا نغمہ کہ از تارے نجست
اے دُرِ شہوار کو نیساں نزیست
اے بسا ہستی کہ ہم نابود رفت
از تو امید عنایت می کنم
گر بہ بخشی من شکایت می کنم
گر نگویم تو ہمہ داری شعور
ور بگویم تو رحیم و تو غفور

حسرت ناممکناتے بسر گزید
کوشش انساں قناعت برنچید
گہ بہ ضرب زخمۂ عشرت کناں
گہ ز سوز نغمۂ ماتم زناں
گاہ می خواہد کہ غنچہ گل بود
باز می نالد کہ گل غنچہ شود
گاہ می جوید نگاہ مہر دوست
باز می گرید کہ مہرش غم بسوخت
گاہ از ہجرے بہارے در خیال
گاہ در وصلے ہجوم ابتہال
گہ بگرید بر ادائے دلبرے
کاں جمالے داد سوز شاعرے
گاہ از شمشیر و خنجر لطف دید
کاں جمال یار جانم برچید

ای بسا دل در پئے شہرت تپید
ای بسا ظلمت که بروئے صبح تنید
ای بسا رومی که او شعرے نگفت
ای بسا انور که در خاکے نہفت
ای بسا سرو که پائے خود بخست
پاشکسته پیش منزل در نشست
ای بسا فردوس ہائے لازوال
در حدود حلقهٔ دام خیال
حاصلاً ہر کس پریشاں خسته جاں
ورد انساں می نیاید در بیاں
در چمن گر بلبلے خنده گرفت
در عقوبت گریه کرد و جاں بخست
زانکه دل را آرزوئے داده اند
داغ سوز جستجوئے داده اند

مناجات شیون زا

در سواد دیده گردانم مکین
پادشاها شوق دیدارم ببین
من ز درد هجر گریم کو به کو
تو هنوز اندر حجاب رنگ و بو
بندهٔ در جستجو صحرا بسر
تو ز اوج خود نمی آری نظر
کرمکے از مرگ خود آتش فزود
زندگی بے روئے جانان خوش نبود
در تمنائے نگہ بر روئے تو
از درونم می رسد خوشبوئے تو
از تو می بینم شہود کائنات
تا کجا این پردهٔ لات و منات

گاہ در لاہوت مستِ بے نیاز
گاہ سر بر پائے شوخے ترکتاز
گاہ در غمہا ز خود بیزار شد
گاہ با اقوامِ عالم یار شد
آہ گر امروز باشد شادکام
می کشد فردا ہلاہل را بجام
نیست ہستی را قیامے در جہاں
خندہ ہائے گل بہ کارِ بلبلاں

بیخودی را بهر جان کن سازگار
انقلاب تازهٔ ما را ابار
اعتبار دین و ملت بر فگن
بر رخ بکشا، چهره بنما، برق زن

تا کجا این اعتبار کفر و دین
آدمی محروم از عین الیقین
تا کجا انسان گرفتار خودی
می ترود بد دل بجز خار خودی
تا کجا این لعنت ملک و وطن
کس نمی بینم ما جز خویشتن
تا کجا بر خویش می بندم نظر
فطرت دل را بده ذوق دگر
از جمال خود به بر آنم بسوز
اعتبار هستی جانم بسوز
از خودی و خویش ویران تا کجا
فطرت کهنه به انسان تا کجا
چون ذوی القربیٰ شده فرمان تو
نوع انسان را نه شد انسان تو

سرفروشی چوں شود ارمان من
خستگی، وارفتگی ایسان من
خون دل خواہم بہ پالیش ریختن
بے حضور دست نتواں زیستن
مزرع دل راہمی بارد تگرگ
زندگیٔ عاقلاں بدتر ز مرگ
زندگیٔ عاقلاں زار و زبوں
زندگیٔ عاشقاں جذب جنوں
عاشقی سرو گلستان حیات
عاشقی باشد حیات اندر ممات
زندگی در مرگ خود پاینده کن
جاں سپرده عاشقی را زنده کن
جاں سپردن نیست کار عاقلاں
جان دادن باشد عزم عاشقاں

در بیان آں کہ سرِّ عشق چیست و لذت عشق در بیخودی میسر گردد

من کہ سرِّ عشق را پنداشتم
بر مراد خویش عالم ساختم
در کف او چوں سپردم خویش را
نوش آور یافتم ہم نیش را
چوں غلام "ربی الاعلیٰ" شدم
کائنات دہر را مولا شدم
در حضورش ایں سر خود بے سجود
می فروشم باد عاؤ صد درود
تا جمال یار را پروانہ ام
در حضورش من ز من بیگانہ ام

نے سمع باشد بہ عاشق نے بصر
جز بذاتِ حق نبیند کس نظر
نے پیام و نے کلام و نے زباں
نے خودی و بیخودی و از نشاں
کن فکاں در آتشے وا سوختم
روئے جاناں پیش جاں افروختم

عشق باشد چوں حیات لایموت
زیستن تا کے مثال عنکبوت
طوف شمع کن اگر پروانۂ
حفظ جاں گر میکنی دیوانۂ
کس نداند ایں بجز عاشق نکات
مرگ عاشق باز ہم باشد حیات
عاشقے در اعتبارات وجود
می نہ بیند کس بجز ذات وجود
چوں دلم اندیشہ غیر اللہ ربود
کل شیٍٔ ہالکٌ الّا وجود
بیخودی چوں جان عاشق در ربود
عاشقے را نے دعا و نے سجود
زہر ناب بیخودی بیہودن است
عاشقی در مرگ خود آسودن است

چون شو غرقِ آبِ دردِ نیستی
هستی خیزد ز گردِ نیستی
جان و دل باید ربودن زانکه نیست
این فنائے عاشقان دانی که چیست

در بیان آنکه عشق تلقین به فنا میکند ولیکن این فنا هم‌رنگ بقا باشد

زندگی با مرگ پیهم خوگر است
فطرتِ ما از جهانِ دیگر است
آتش بی رنگ بینم غیرِ دود
تا کجا این اعتبارِ هست و بود
صبغهٔ بی رنگ چون شد در وجود
ما نمی دانیم از زرد و کبود
چون به عینِ هست هستی نیست گشت
هیچ غم در صد غمِ دنیا نه است
ای که تا یابی مذاقِ زندگی
زیستن باید برنگِ نیستی

بے ہوائے صبحدم گل کے دمید
این خودی تو بگو از کے رسید
آن کہ تو گوئی خودی و بیخودی
می رسد یا تو ز فیض ایزدی
پس خدا را بین کہ ہم خود را ببین
عاشقان را عشق باید این چنین
اے کہ تو چون برخودی والا شوی
از خدا رستہ بخود شیدا شوی
عشق سرگرم عمل باشد ہمہ
در عمل صد بیخودی تابد ہمہ
چون ترا ذوقِ عمل پیدا شود
بیخودی آید خودی از خود رود
عقل را بینش ولی تحقیق ہست
عشق را فطرت ہمہ تخلیق ہست

در بیان آں کہ ذوق و شوقِ عشق را لازم است کہ طالب را بیخود و سرمست و فنا سازد

چوں بہ سیلِ عشق گردی غرقِ آب
تا کجا مانی بخود ہمچو حباب
اے وجودِ موج ہم مانندِ آب
در خودی بالیدہ تا کے چوں حباب
برتوے از عشق گر افتد بہ جاں
نیست جز یک جلوہ اندر صد جہاں
مستِ جلوہ شو جمالش اظہر است
ایں خودیِ تو حجابِ اکبر است
شو خطر کن در غمش برباد شو
گر خدا داری ز خود آزاد شو

در این معنی کہ خودی و بیخودی ہردو از احوال عشق اند ولے خودی در حالت نزول پیدا میشود و بیخودی برعکس آں

آں کہ تو گفتی خودی از خود مجو
حسن را ہم پردہا باشد شنو
حسن بہر پردگیہا در نظر
می نماید، جلوۂ ذات بشر
بے بصر ابلیس نشد در بزم جاں
جلوہ ہائے قرۃ اعین[1] عیاں
آنکہ خود را دید محو خود شدہ
وآں خدا را دید بس بیخود شدہ

---

[1] اشارہ بہ آیۂ قرآن۔ فلا تعلمو نفسٌ ما اخفیہ لہم من قرۃ اعین (سورۂ سجدہ)

بوئے جاں بر جاں زد از بیخودی
عشق مستحکم شود از بیخودی
ذرہ ذرہ از سرور بیخودی
رقص می گیرد بہ نور بیخودی
روح را پاکیزہ کن زاں لیس بیں
بیخودی کائناتے ایں چنیں
جان و دل باشد بہ ہائے ہوئے او
کائناتے در طواف سوئے او
آنچناں از بیخودی مستیم ما
کس نخواہد گفت کہ ہستیم ما

در بیان آنکه خودی به تمکن و قرار تلقین کند و بیخودی به اضطراب و ذوق عمل

بیخودی را پشت پا انداختی
تو خودی را منزلے پنداشتی
چوں خودی را بیخودی انجام ہست
ایں سر سودائے ما خوش کام ہست
عشق چوں تمکیں بر آرد خودی
حالتے از بیخودی باشد خودی
اضطراب عاشقی پُر آب است
زندگی را بیخودی سیلاب است
کو بجز دے والاؤ پیدا شدست
ویں خودی از گمرہی پیدا شدست

عشق را ہرگز نہ احمال خودی است
عشق افسردہ بہ احوال خودی است
عشق بہ ہم با خودی در جنگہاست
عشق را بس سوئے حق آہنگہاست
چوں نباشد ہیچ کس مطلوب جاں
می نہ بیند عشق جز محبوب جاں
چوں شوی محو نظر با چشم تر
ہم نظر گم کن تو از ذوق نظر
نے سمع باشد بہ عاشق نے بصر
جز بذات حق نیاید کس نظر
از شراب عشق مستم چوں توئی
من ز من بیگانہ ہستم چوں توئی
خویش را بینی بجائے بیخودی
بیخودی باید برائے بیخودی

۴۷

چوں فنا باشد بقائے تو بہ تو
ہست مارا ارتقائے تو بہ تو

چوں خودی تلقین بہ تمکیں می کند
ذوق و شوق عشق را از ما برد
فطرت عاشق ز خود بگسستن است
سوئے ذوق بیخودی در رفتن است
چوں نہ بینی جلوہ ہائے شمع رو
کے پسندی رقص بسمل گرد او
بہرۂ از جلوۂ جاناں طلب
جاں پیش از بیخودی آید بلب
چوں خودی ہم در خدا آخر شود
بیخودی بر مرکز اعلیٰ رود
ہست چوں زیبا خدا خواہد شدن
بہ ز خود بہتر فنا خواہد شدن
زندگی در جستجوئے ارتقا
صد بقا مارا سپردہ در فنا

آں فقیرے کو بتجرید فضل حق
نیست ناممکن شود گر اصل حق

عشق را ہر دم شتابے دیگر است
فضل حق را رنگ آبے دیگر است

زانکہ ہر دم یافت فضل ایزدی
عشق باشد مست جام بیخودی

می نہ بیند می نہ شنود ہیچ کس
عشق را اللہ بس باقی ہوس

جان و دل سوزد بہ ہائے ہوئے او
از درونم می رسد خوشبوئے او

صد خودی قربان یک وارفتگی
کو برد جاں را بہ کوئے خستگی

من خودی از سر نہم تا سر دہم
جان و دل را پیش جاناں در دہم

در بیان آنکه انکشاف حقیقت از وسیلۂ بیخودی باشد و خودی در حصول آں موافق نیاید و مانع آید

تا نگیرد بیخودی جان و دلت
عشق نارد رونقے در محفلت
عشق چوں ذوق فنا پرور بود
از خودی بر منزل خود کے رسد
گر شدی پروردۂ ذوق خودی
اے نیابی بہرۂ جز گمرہی
اے نیابی عشق جز "من فضل ربّ"[1]
پس خودی بگذار فضل حق طلب

---

[1] اشارہ بہ آیۂ قرآن

عصر حاضر عشق کے سنجیدہ است
ذوق و شوق عاشقاں کے دیدہ است

آنکہ دیدہ بیشے حق از حق شود
از خودی رفتہ بہ حق بیخود رود

"ملت عاشق ز ملتہا جدا است
عاشقاں را مذہب و ملت خدا است"[1]

---

[1] شعر رومیؒ

اے چہ دانی لذت رقص جنوں
ہست زدہ عالم بہ ما زیر و زبون
گر ترا باشد میسر ذکر حق
یافتم من جلوہ ہائے بکر حق
تو بذکر و فکر خود را داشتی
آنقدر بس دولتے پیداشتی
فکر ہر کس چوں بقدر ہمت است
آنقدر لطفش نگویم رحمت است
اے کہ با صد جبۂ و دستار بود
چوں بہ عشق آمد ز خود خود را ربود
عاشقاں را لی مع اللہ چوں رواست
ذوق و شوق عاشقاں ہم از خدا ست
نے سجود و نے دعاؤ نے درود
در برم جز ذات پاک حق نبود

زندگی را چوں خودی آہنگ شد
ملتے با ملتے در جنگ شد

از خودی باشد تنازع للبقا
ناکساں را آنکہ گرد اندر فنا

ذره ذره مظہر نور خداست
چوں میان کفر و دیں چون و چراست

اے کہ خود بینی نہ بینی ذات او
تو چگونہ گوئی ہست اللہ ھو

ملتے را چوں اساس از عشق شد
چارۂ جز ذرد و انانش نہ بد[1]

---

[1] از ضرورت معنی بود گاه بگاه بُد نوشته شود و اساتذه جائز شمرده اند

در بیان آں کہ بنیاد ملک و ملت بر خودی باشد و پس تنازع للبقا بوجود آید و لے جمیع تنازعات در بیخودی گم شوند و منظر بلند بہ حصول آید

زندگی را ذوق حفظ زندگی است
مذہب و ملت ز احکام خودی است
زندگی از بہر حفظ زندگی
خویش را بند د بہ آئین خودی
قوم و ملت زاں پیش زاید ہمی
پس حکومت ملک و دیں آید ہمی
اے گرفتار نصاب کفر و دیں
از خدا تو دور مانی ایں چنیں
تا کجا مانی قوم و ملت را اسیر
از خودی بگذر خدا را در بگیر

ملت انساں ز ملتہا جدا است
عاشقاں را مذہب و ملت خدا است[1]
درمیان دو نہ آسودن روا است
برفراز آسماں رفتن بجا است
ایں زمیں از ملت و ملک و وطن
خوش نباید لائق ما زیستن
انتظار صبح خیزاں می کشم[2]
نور جاں در چشم انساں می کشم
عشق را آرم فرازے دیگرے
نغمۂ فردا بہ سازے دیگرے
ایں زمین ما و تو ملک خدا است
ہر کجا خواہم روم بر من روا است

---

[1] شعر رومی بہ تغیر الفاظ [2] مصرعے از اقبالؒ

در بیان آن کہ اقتضائے خودی حد بندیٔ وطن و امتیاز قوم و ملک باشد و فلسفۂ سیاست بین الاقوام را نفی کردن است

از خودی تو چوں بخود مانی ہمی
دیگراں را کم ز خود دانی ہمی
از خودی دیگر نمی بینی کسے
ہمچنیں ویراں شدہ ملت بسے
جلوۂ ذات است در عین وجود
آدمی از مشرق و مغرب نبود
توسن قہر خودی ہر کس براند
آدمیت گم شد و آدم بماند
چوں ز قہر و جبر سر انساں شتافت
در مذاق کفر و دیں انساں بباخت

در بیان آنکہ احساس خودی از اشکال وقت زمان پیدا می‌شود

آدمی از بہر خود باشد ہنوز

در دل جانش خودی تابد ہنوز

ہر کسے در فکر حاضر بوده است

بہر خود صد رنجہا افزوده است

چشم بکشا روز فردا ہم ببیں

بیخودی ما را شود چوں جاں گزیں

از مذاق روز فردا بے خبر

جز بہ حاضر شد نہ انساں را نظر

بیش از یکدم نہ بیند چوں کسے

بر خودی بالیده ماند خوش لبے

۵۶

قوم و ملت را نظامے ساختی
ملک بگرفتی و انساں باختی
شد تہی از درد انساں جان تو
کفر را صد خندہ بر ایمان تو

در بیان آنکه تعمیر عالم نو از بیخودی باید شد و اگر چنین نشود ویرانی و خرابی و جنگ عالمگیر دیگر لازم خواهد شد

تو که خود را وقف کردی بهر خویش
از غم انسان نداری جان ریش
من که بهر دیگران سوزم تمام
بهر انسان اشک ریزم صبح و شام
نوع انسان را چنان منظر دهم
این زغال خشک را اخگر دهم
ای مثال شمع روشن کن جهان
کو همی سوزد برای دیگران
گر خودی را در غمی بگداختی
نوع انسان را بلند افراشتی

وآنکه شد از روز فردا هم خبر
بر خودی آنزا نشد یکدم نظر
وقت چون پابند ماه و سال نیست
بیخودی جز بهر ما احوال نیست

گر خودی باشد پئے تقریب ما
غرق خواہد شد چنیں تہذیب ما
از فساد جنگ بگذارد عالمے
زآنکہ گردد نیست زہا عالمے

ہر کسے از بیخودی در صد محن
خوش بروں آمد ز تاریخ کہن
کس ندارد جز ہوائے خویشتن
ہر کسے باشد برائے خویشتن
نوزده صد سال ضائع در گذشت
ہیچ کس از بیخودی از خود نرفت
جز خودی چوں کس نبیند ہیچ کس
بندۂ در بند تو شد چوں مگس
از خودی گر تو فروزاں آمدی
نوع انساں را پشیماں آمدی
از خودی چوں احتراق دیگر است
باز در عالم نفاق دیگر است
باز دیگر قلب انساں تنگ شد
باز در عالم صلائے جنگ شد

گر خودی شد شیوہ ہائے ناقصاں
ہمت مرداں برائے دیگراں
از خودی چوں نوع انساں مردہ شد
جذبۂ خدمت ز ما افسردہ شد
بایدت با بیخودی ہم ساختن
جان و دل را طرح نو انداختن
گر ترے تو از خودی بیروں شوی
در غم نوع بشر مجنوں شوی
عشق را چوں ہست فطرت سوختن
شمع محفل شو ز خود افروختن
چوں غم انساں وہم جہاں را دگر
ظلمت شب را شود تازہ سحر
ننگ قوم و ملک و ملت چوں نماند
در جہاں جز خالق بیچوں نماند

در بیان آنکه جمیع آرزوها منقسم به دو حالت اند یکی متعلق به خود و آن دیگر
متعلق به دیگران که از جذبهٔ خدمت خلق موسوم است و محتاج به خودی نیست

فطرت انساں اگرچہ آرزوست
زندگی را از محبت آبروست
آرزو زانکه خود آرا آمده
نفس اماره به جلوا آمده
آرزو را گر خودی بنیاد هست
جان ما از بیخودی آباد هست
من بفکر خدمت نوع بشر
جان و دل سوزم پئے ذوق دگر
جان و دل از ذوق خود آباد نیست
آرزویم را خودی بنیاد نیست
قیمتم افزود ذوق ہائے ہو
از خودی و خود ندارم رنگ و بو

فطرت دل آدمی نشناختہ
آبروئے نوع انساں باختہ
زانکہ خود را ایں ہمی بینیم ما
پے بہ پے صد رنجہا چینیم ما
از غم انساں اگر باشد خبر
ہیچ غم ما را نیاید در نظر

در این معنی که فطرت انسان چیست و جمیع رنجها از ناشناسی فطرت خود به انسان می رسند

عشق را چوں فطرت احسن شد است
در پے تردید ما و من شد است
زندگی را بیخودی چوں رہنماست
آدمی را خود پسندی کے رواست
گر شدست مرغوب خود نگریستن
کمتر کی یابی مذاق زیستن
نوع انساں را اکرم کرده اند
آدمی را بهر آدم کرده اند
در غم محفل چو شمع خود را بسوز
ذوق درد نوع انساں بر فروز

چوں زخود را بازد ارند از خودی
کاش مارا واگذارند از خودی
قیمت ما از محبت می شود
روز فردا روز خدمت می شود
رنگ قوم و ملک و ملت را بشست
از محبت ہر دو عالم بر فروخت
چوں غم انساں صفیر ما شود
عالم نو از ضمیر ما شود
صبح فردائے است در جہاں
آنکہ می بینم نباید در بیاں
اے کہ من بخشم سرور بیخودی
خویش را گم کن بہ نور بیخودی
"مرداں خو کر بیک دیگر شوند
سفتہ در یک رشتہ چوں گوہر شوند"[۱]

---

[۱] شعر دکتور سر محمد اقبال رح

در بیان آں کہ روز فردا انقلاب عظیم در طرز فکر انسان واقع خواہد شد و ہر کسے برائے ہر کسے خواہد سوخت

روز فردا خوش ہمی بینم بسے
غم برد ہر کس برائے ہر کسے
بہرہ از عشق کبریا برد کسے
می برد غم از پئے انساں بسے
روز فردا چوں نظام دیگر است
ہر کسے را صبح و شام دیگر است
وا شود فردا کتاب بیخودی
ہر کسے مست شراب بیخودی
آنکہ می ورزد خودی محروم شد
"و آنکہ خدمت کرد او مخدوم شد"

چوں خودی و خود کسے از خود بسوخت
نوع انساں را چراغے بر فروخت

از خودی و خود پرستی وا رہم
من اساس نو بہ دلہا می دہم

چوں مذاق درد انساں دادہ ام
من نظر را پردہ ہا بکشادہ ام

چوں گلے راہست از گلشن وجود
اختلاف رنگ بو چیزے نبود

اے کہ ما ہستیم در عین وجود
کس نمی بینیم از زرد و کبود

اختلاف کفر و ایماں سوختیم
ہر دو عالم بہر جاناں سوختیم

چوں ز جان و دل برم قربان دوست
از دل و جان جان و دل قربان دوست

در بیان آنکہ اگر در عشق خداوندی بیخودی میسر گردد عشق بنی نوع انسان بدست آید و سوزش دیگر پیدا کند

عاشقے چوں یک دمے خود را ندید
از شب او صبح فردا شد پدید
تا کجا حفظ خودی قلب و جاں
اے تو شمع شو برائے دیگراں
از خودی آداب انساں دیگر اند"
" سوختہ جان و ردا انساں دیگر اند
آنچناں رستہ شدم از مہر خود
شستہ ام داغ خودی از چہر خود
نوع انساں را چراغ افروختم
خویش را از سوز انساں سوختم

دربیان آں کہ چوں انسان خودی ورزیدہ است خطرہائے عظیم بنی نوع انسان را درپیش اند

لذت ہستی بہ ذوق غم فتاد
بیخودی بُرد است آخر بہ مراد
از غم انساں بہ جاناں شتابیدم
ملتے از نوع انساں یابیدم
صد فساد اندر پے سرمایہ شد
از خودی ہر کس اسیر وایہ شد
چوں حکومت را اساس از دل شود
آدم ما رونق محفل شود
آبیاری گلستاں بایدش
باز دیگر فکر انساں بایدش
گوہرے را آب گوہر لازم است
زندگی را طرح دیگر لازم است

امتیاز ملک و ملت سوختیم
نوع انسان را شقاوت سوختیم

در بیان آں کہ اساس ملت نوعی انسان را خودی ممکن نتواں شد زیرا کہ جزو را خودی ملتزم است کل را ایں حالت میسر نیاید بسبب آں کہ او مقابل غیرے نشود و جمیع ملل را مشتمل باشد

چوں کہ بیرون خودش دیدار نیست
نوع انساں را خودی درکار نیست

از تمیز غیر می زاید خودی
در حضور غیر می بالد خودی

در تقابل رنگہا خیزد خودی
در تماثل خویش را ریزد خودی

نوع انساں را مقابل چوں نشد
ہیچ کس زاں ملتے بیروں نشد

جزو را تا جزو گفتن بایدم
در مقابل جزوے دیگر شایدم

کارگر در کارہا باشد حقیر
ناقص و نااہل بینی بر سریر
عاقلے را ہست فکرِ آب و ناں
جاہلے را لوزنہ اندر دہاں
عصرِ حاضر را خرد دستور نیست
بہرہ جز چشمِ تر مزدور نیست
اے زبیمِ خطرہا لرزد خرد
طوقِ زریں در برِ خر می سزد

اشارہ بہ شعرِ حافظؒ ۔ اسپِ تازی شدہ مجروح بہ زیرِ پالاں
طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم

دریں معنی کہ اساسِ سیاستِ فردا بر محبتِ عالمگیر خواہد شد و دریں حال تنقیصِ خودی لازم است

ہیچ بہرہ ورنہ گردی از ورق
ہست لیکن در کتابے صد سبق
لفظ چوں با لفظ می آید اگر
معنیٔ نو جملہ را گردد دگر
آدمیت را اگر شیرازہ شد
نوعِ انساں را دگر آوازہ شد
آدمیت را دگر تعمیر کن
جان و دل از جان و دل تسخیر کن
ملتے با ملتے تحلیل کن و
انقلابِ تازۂ تشکیل کن

جزو را از حفظ خود باشد خودی
پس زمین کل نمی آید خودی
گر بذات کل تعلق شد وے
پس خودی زآں پس نمی ورزد کسے
امتیاز ملک و ملت در شود
اعتبار ما و تو ہم سر شود
چوں سیاست را اساس آدم بود
عالم دیگر بہ ایں عالم بود
نوع انساں را فروغے ہست ازیں
ناتوانی خویش را تنہا مبیں
غیرت مابین انساں چوں برفت
بر اساس تازۂ عالم نشست

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ [1]

آدمی را امتحاں مقصود بود
پس ہمہ فرق ملل محمود بود
گرچہ ذوق ما و تو افزودہ اند
لیک امت را یکے فرمودہ اند
فطرت ما جز یکے یزداں نہ است
پیش حق جز ملت انسان نہ است
وائے ما پابند خود بینی شدیم
حسرتا ایرانی و چینی شدیم
آدمی محروم دل نومید و دژم
شد میان ہند و ترایون عجم

---

[1] آیہ قرآن کہ اگر خدا خواستے تمہارا امت واحد گردانیدے ولکن امتحان شما مقصود بود کہ در خیر جہد کنید

رنگ و ملت را اگر گلخن شدی
"اے زہے من تو شدم تو من شدی"[1]
آدمیت را دہم شکلے دگر
آدمی را بشود عقلے دگر
ہمچنیں در دیدۂ قرآں آمدہ
آدمیت بہر انساں آمدہ
ہیچ کس خود پروری را نامدہ
اے بہ آتش اعتبار خام دہ
نوع انساں زیں سخن محکم بود
ملت ما ملت آدم بود

---

[1] از یکے مصرع حضرت امیر خسروؒ

در بیان آں کہ ہیچ ملت بے تصور مخصوص ظہور نہ پذیرد و ملت انسان فردا را اقرار وجود باری تعالی سنگ بنیاد خواہد شد

گرچہ زید و عمر را حرص خودی است
ہم خیالی ملتے را زندگی است

ملتے را از تخیل شد حیات
آں تخیل ملتے را عین ذات

روز فردا ملت انسان نو
مدعائے جو یداز ایمان نو

یک تصور آدمی را لازم است
کاں تصور زندگی را لازم است

چوں بہ صلح و خیر را عازم شد است
آدمی را ایزدے لازم شد است

درمیان ہند و ایران روس و چین
آدمی تقسیم گشت این چنین

رخنہ ہا در آدمیت ساختیم
ملک بگرفتیم و انسان باختیم

ہیچ کس از بہر کس جز غم نخورد
آدمیت شد اگر آدم نمرد

فکر دوناں بہر خویش و اقربا
فکر مرداں بہر عالم شد بجا

ہمت مرداں برائے عالمے
طرز فکر ما دوائے عالمے ؛

بہر ملت ثانیا زارد ہمی زو
زندگیٔ تازه اش آرد ہمی زو
ثا نشا چوں نیست او را ذوق خویش
از پئے انساں گدازد جان خویش

آدمی سوزد پے انسان تو
ہست یزداں را اگر برہان تو
آدمی را ہست انساں آرزو
عشق روشن گشتہ از اللہ ھو
از خدا چوں دور باشی اے حبیب
کس نخواہد گشت نزد تو حبیب
اے کہ بیروں تا نیابی از خودی
می نیابی رہ بہ ماشئ زندگی
ہر کسے بیند ہمی گر خویش را
کس نیابد از کسے جز خویش را
فطرت آدم کہ از خود رفتن است
خویش را با دیگراں پیوستن است
اولاً پرہیزد اقسمر با
خویش را سوزد پئے ذوق فنا

آفتابے از عرب زد و قمر فزود

جلوہ ارزاں کرد و جانم در ربود

اے کہ او صدر نشینِ ایوانِ ہست

آیۂ "لولاک" در شانش ہست

فخرِ آدم فخرِ دنیا، فخرِ دیں

رحمتے بہرِ دو عالم ایں چنیں

نوعِ انساں را غمِ انساں داد

ہر یکے پیوستہ را ہم کشاد

اے کہ با آں فیضِ او انساں شدیم

لطف پروردہ سوئے یزداں شدیم

آدمیت را فروغے شد ازو

می کند نازش خدا ہم آرزو

چہرِ انساں مرکزے آراستے

آدمیت را علم افرا [illegible]

در بیان آں کہ اسوۂ حسنۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معیارِ اخلاقِ انسانِ فردا خواہد شد

من کہ سوزم در پئے تعمیرِ نو
آدمی را می دہم تقدیرِ نو

بہر او چیدم صفاتِ تازۂ
عالمے را اشد حیاتِ تازۂ

روز و شب زاریدہ ام من بہرِ او
سالہا شد آدمی را جستجو

عالمے را آدمی دیگر بیار
آدمی گوہر با گرد و غبار

اے کہ از یونان و ایران و عرب
آدمی گر ہست پیشِ ما طلب

دربیان آں کہ اخلاق محمدیہ تمثیلے برائے نوع انسان باشد و پیروی آں برائے نوع انسان لازم است

جان ما راشد دگرگوں روز و شب
آدمی نایاب" ارزاں بولہب"
ہر کسے چوں از محمدؐ دور شد
خویش را بہ منزل خود رہ نبرد
ہر کسے چوں از محمدؐ نور یافت
نوع انساں را چو مہر و مہ بتافت
ہر کسے چوں با محمدؐ یار شد
گر خسے بودہ ہمہ گلزار شد
ہر کسے چوں با محمدؐ یار گشت
دو جہاں بگذاشت در پایش نشست

کُلُّ مُؤمِنٍ اِخوَۃٌ فرمودہ است
بہر انساں جان و دل راسودہ است
مومن آں شد کو پئے حق چوں بہ رفت
نوع انساں در برِ خود در گرفت

این مقام عشق جز او کس ندید

از دو عالم آدمی را برگزید

او که انسان را غم انسان داد

جان و دل را تابش از قرآن او

جان و دل را مشعلے آوردہ است

زندگی را صیقلے آوردہ است

نقش پایش علے را آفتاب

صد نجات از خاک پائے او بیاب

مهر و ماه و کهکشان سودہ جبین

زیر پایش هر دو عالم را ببین

جان و دل را شد عیارے تازهٔ

زندگی را نو بہارے تازهٔ

آن مقام زندگی با ما سپرد

لات و عزی را شکست هستی فسرد

اے کہ دل از نکہت رافت ازوست
نوع انسان را ہمہ زینت ازوست

صحبتے . سے گور عشق ہائے ہو بہم
جان و دل شستم کہ نام او بہم

او کہ انسان را پئے تکمیل شد
ملت آدم ز تو تشکیل شد

ملت آدم ز فیض او ہمیرد
پیش او یکسان فقیر و ہم امیر

عرش و عالم بہر ما بکشادہ است
زندگی را راہ عالے دادہ است

پیش از وجان چیستے مشرق بود
زندگی چہ حقش و نور دل شود

او بذات عاشق یا اسیرد
پیش یزدان ملت آدم سپرد

در بیان آں کہ لائحہ عمل بنی نوع انسان فردا اسلام خواہد شد

زندگی را چوں تلاش مدعاست

مذہب و حکمت پئے آں رہنماست

اے کہ باشی خوش خرام زندگی

زندگی جوید نظام زندگی

زندگی را آں نظامے بایدے

کو نظام زندگی را شایدے

زندگی گر نیک انجام آمدہ

نوع انساں بہر اسلام آمدہ

در تلاش منزلے اقدام ہست

آدمی را فطرت اسلام ہست

آدمی را زانکہ نیک انجام ہست

مقصد اقصیٰ اگر اسلام ہست

عشق را آں جلوۂ بے رنگ داد
امتیاز ما و تو رفتہ بباد
ملت آدم ز ملتہا جدا است
آدمی را دین و مذہب بس خدا است

در بیان آنکه حوصلهٔ پیغام محمدؐ تا هنوز حاصل نشده است و درینکه اسلام آنچه عمل باشد برائے نوع انسان پس غلط است برائے مسلمان که خویش را پابند ملت محدود شمارد و نوع انسان را در خود نه بیند

در پئے اسلام زانکه هر کس است
آدمی را این همی ملت بس است

زانکه ذوق ما و تو خام آمده
نوع انسان بهر اسلام آمده

این نه خویش و انست تا امروز کس
ملت انسان فقط هست اسلام بس

ملتے با فتنه پیوستن است
با خدا بودن و از خود رفتن است

می برد اسلام سوئے بیخودی
خویش را اگم کن زخوئے بیخودی

۹۰

ذوق و شوق عشق تا ہست مدعا
اے نگہ رو نے رسی با مصطفیٰ!

آں پیام سرورِ ہر دو سرا
نوعِ انساں را شود محکم بجا
ملتِ اسلام چوں محدود شد
کم نگاہی و خودی مقصود شد
پردۂ ناموسِ مذہب بر درید
آں مسلمانے کہ جز خود کس ندید
عاشقے را ایں سخن درمان بود
ملتِ ما ملتِ انسان بود
ایں تنفر ایں خودی از بس مجو
کفر ہم ایمان ورزد صبحِ نو
صبحِ نو اسلام را چوں بشود
کفر آں دم در پئے ایماں رود
تا کسے بیچارہ محرومِ خدا
روزے خواہد یافت عشقِ مصطفےٰ

از خودی اسلام را شد خطرہ ہا
سوز ما با کس نشد جز بہر ما ئے
سوز ما با دیگراں باید رسید
ہر کسے در ذوق حق باید تپید
قلب جاں چوں وقف شد بہر خدا
پس نظر آید مقام مصطفےٰ
ہم نظر محو است در ذوق نظر
عبدہٗ کس نیست جز خیر البشر
عشق را چوں ہست محکم آیتے
نوع انساں را سراپا رحمتے
از جمالش چوں سیدہ زنگ و پوست
جان قربانش کنم ایں آرزوست
صبح فردا جز پئے گلشن نہ است
موسم گل بہر یک سوسن نہ است

پس چہ باید کرد اے انسان نو

زندگی را آشنا شو د احسان نو
پس چہ باید کرد اے انسان نو
تا زہا بشکن تو از بہر نیاز
طرز فکر آدمی از نو طراز
لذت خود گرچہ ما را در سراست
زندگی از بہر انسان خوشتر است
کس ندیدہ گر کسے جز خویشتن
"ننگ دنیا ننگ دیں ننگ وطن"[1]
آدمی را ذوق آدم چوں شود
ہر کسے از بیخودی بیچوں شود

---

[1] مصرع از اقبال ؒ

حال او امروز گرچه ابتر است

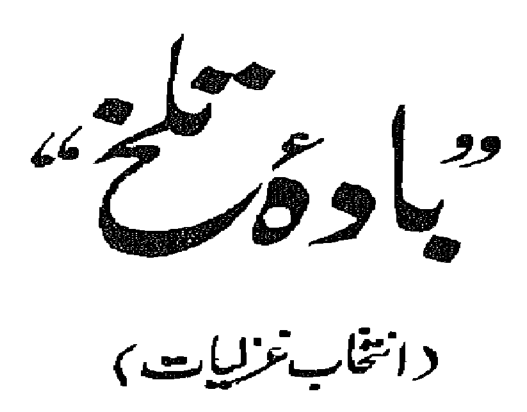
روز فردا زندگی روشن تر است

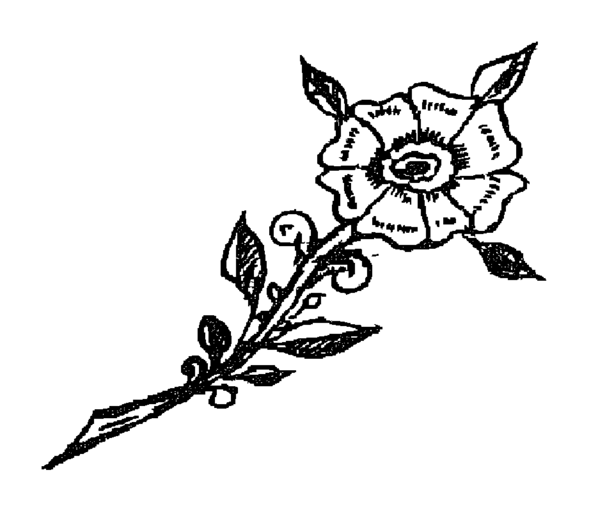
روز فردا نیست جز انوار حق

عالمے سرگشتۂ دیدار حق

نوع انساں در بر خود در بگیر
از محبت نرم و نازک چوں حریر
اے ترا اگر با محبت کار شد
دو جہاں از فیض تو سرشار شد
جان و دل را از خودی گر زنگ ہست
آدمی ہم بہر آدم تنگ ہست
از خودی شد صد زیاں انسان را
آدمی ماند مگر حیوان را
لحظۂ خود را بکن از خود رہا
پیش یزداں خوش بیا با خویش را
ہیچ کس خود را از خود بیروں نبرد
حیف بہر آدمی کس غم نخورد
جان ما سوزد پئے آدم اگر
عالمے را می شود عالم دگر

خود نگاہی خود پرستی و خودی
عقل را بگذاشتی حیوان شدی
اے زلیلہا شدہ چوں حرص اند
آدمی را ملتے دیگر بسازد
گر رود از ما تمیز ما و تو
بیخودی گردد اساس آرزو
اے کسے ہم غیر را پروانہ شو
از غم انسانِ تو دیوانہ شو
ملت و ملک و وطن سنجیدہ ام
پردہ ہائے زندگی برچیدہ ام
اے میالا خویش را ز ننگ خودی
مشربے باید برنگ بیخودی
کافر و مومن اگرچہ دیگر اند
ہم جمال دوست را چوں اختر اند


"بادۂ تلخ"
(انتخاب غزلیات)



زخوشبوئے دلآویزِ معین الدین حسنؒ رقصم
بہ طوفِ گلشنِ لطفش چو بوئے یاسمن رقصم

خوشا وقتے زہے بختے کہ در ذوقِ وصالِ او
چو خاکِ پاکِ پائے دوست در دشت و دمن رقصم

زفیضِ چشمِ مستِ او ز کفر و دیں گذشتہ ام
ہمی نازم کہ در طوفِ معین الدین حسنؒ رقصم

اگرچہ اندرونِ من بجز خوشبوئے جاناں نیست
مگر حیراں ز مشکِ خود چو آہوئے ختن رقصم

انا الحق گر ہمی جرم است گر چہ قتل لازم شد
بہ ذوق و شوق تیغش بے نیاز جان و تن رقصم

اگر بر مرقدم آئی بہ ذوق ناز فرمائی
غزلخوانی کناں خیزم بہ شوق اندر کفن رقصم

مرا ہم دین و ملت بود ہم جانے و ایمانے
خرد پرورده بودم ز لطفِ ذو المنن رقصم

خمارِ چشم مست دوست گر ارزاں شود روزے
ہمہ عالم ز فیضِ بیخودی رقصاں شود روزے

نقاب از چہرہ بکشاید، جلوہ عام گردانید
خودی و خود پرستی را اگر درماں شود روزے

بہ ذوق و شوقِ پروانہ بہ طوفِ دوست خواہد شد
ہمی انسانِ بے ذوقے مگر انساں شود روزے

مسلمانی نثارش باد کو از عشق می رقصد
برہمن ایں چنیں ہم مائلِ ایماں شود روزے

ز فیضِ چشمِ مستِ او بہ نقشِ پائے جاناناں
برہمن را روا باشد اگر قرباں شود روزے

منم سرشارِ ذوق او ز جان و دل گذشتہ ام
ترا واعظ ہمی خواہم ہمی ارماں شود روزے

سر و جاں را نہادہ ام بہ تیغ نازِ رعنائی
مگر جاں از تپیدن لائقِ جاناں شود روزے

بہ من اسرارِ جانِ خویش ظاہر شد بہ ایں ساماں
کہ از فیضِ نگاہ دوست پا دارد رسن رقصم

بہر جانب کہ می نگرم بجز او کس نمی یابم
ز بوئے نافۂ مشکیں چو آہوئے ختن رقصم

نہے انساں بہ ذوقِ دردِ انساں گریے سوزد
میانِ انجمن بہر فروغِ انجمن رقصم

ہمی دانم کہ ذوقِ دردِ انساں کارِ طفلاں نیست
سراپا سوزِ غم ہستم بہ عزمِ کوہکن رقصم

ز امیدِ نویدِ صبحِ روشن زندگی روشن
بہ تجدیدِ مذاقِ عشق در بیت الحزن رقصم

مذاقِ عاشقی انور اگر روشن شود روزے
منِ پروانۂ سوزاں میانِ انجمن رقصم

در برِ جانم جمالِ روئے جاناں دیدہ ام
جانِ ایماں واگذارم جانِ ایماں دیدہ ام

ہر کسے از کم رہی اندر خیالِ خویشتن
ہیچ انساں را نہ ذوقِ دردِ انساں دیدہ ام

ملک و ملت واگذارم کفر و ایماں در دہم
در جنونِ خود علاجِ دردِ انساں دیدہ ام

مولوی و گبر و ترسا و یہود و برہمن و
ہر کسے را فیضیابِ ذوقِ جاناں دیدہ ام

ہر کجا بہرِ تماشہ شمعِ محفل گشتہ اند و
ہم چراغِ دیر را روشن ترا ایماں دیدہ ام

از جمالِ روئے ساقی و ز نگاہِ مہرِ او
ہر گلے را در فراقش چاک داماں دیدہ ام

دین و عقبیٰ واگذارم طوفِ ساقی میکنم
ہر دو عالم گردِ روئے دوست رقصاں دیدہ ام

تجلی را بیفزاید جهان عالمے سوزند و
به جان آن ز مسکین همین احسان شود روزے

حسن بے ذوق تماشائی رقصاں تاکے
عشق بے حوصلۂ چاکِ گریباں تاکے

من کہ پروانہ صفت گردِ جمالت رقصم
خوگرِ لذت جان و دل و ایماں تاکے

صبح انساں اگر از سوزِ درونم باشد
شعلۂ عشق چراغِ تہِ داماں تاکے

ملت و ملک و وطن ساختی از ذوقِ خودی
فکرِ انسان بہ اندازۂ انساں تاکے

اے خوشا روز کہ انساں پئے انساں سوزد
عشق پیچیدۂ گیسوئے پریشاں تاکے

ایں ہمہ ذوقِ وجودم بتو قرباں بادا
عشق پروردۂ مجبوری و حرماں تاکے

اے کہ از خود خبرم نیست بہ پیشِ رویت
غفلِ خود بیں بہ منِ مست نگہباں تاکے

انورؔ بد مست و بیخود را کہ ایماں سوختست

اندرونِ دیرہم از روئے ایماں دیدہ ام

منم چوں در ہوائے یار باشم
جہاں سوزم پئے دلدار باشم
ز جان و دل پئے جاناں گذشتم
کہ من ہم طالب دیدار باشم
من انساں را کہ دل بگذاشتہ است
ز فیض درد دل غمخوار باشم
ہمہ سوزم رواج کفر و دیں را
ز فیض چشم او میخوار باشم
اگر از ابر لطفش قطرہ ریزد
گل خود را گل گلزار باشم
مرا شوقیست در تکمیل ہستی
غبار خاک راہ یار باشم
کنشت و کعبہ را از ذوق ایماں
ہمی دیدم کہ من بیکار باشم

نیست دشوار کہ دنیائے کہن را سوزم
ذوقِ جاں ہست اگر شکوۂ دوراں تا کے
رندی گفت کہ انساں شود انساں روزے
مشکلے نیست کہ مشکل چنیں آساں تا کے
انورِ مست کہ گردیدِ کافر مقصد
ایں چنیں برہمنِ شوخ مسلماں تا کے

منم بیخود سرِ بازار رقصم — ز فیضِ چشمِ او ہموار رقصم

ہمہ در قبضہ عرش و فرش و کرسی — نہ من تنہا ہمی تنہا رقصم

زہے راہے کہ سوئے او مرا برد — ز شوقے بر سرِ ہر خار رقصم

منم آں ہوشیار از فیضِ ساقی — دریدم جبہ و دستار رقصم

نہ دانم جان و دل تا کے تواں برد — کہ گردِ شمعِ روئے یار رقصم

مگر از کیست دعوائے "انا الحق" — "ھو الحق" گویم و بر دار رقصم

منِ دیوانہ در مقتول گاہم — بوقتِ قتل بر سوفار رقصم

بہ دیر و کعبہ و صحنِ کلیسا — منِ بیخود پئے دیدار رقصم

مگر رازش بہ محفل فاش گردد — ز شوخی در پئے اظہار رقصم

منِ انور ندانم رسمِ دینے
ز مستی در پئے دلدار رقصم

نگاہے گر بہ انداز ندایں سو
نثارِ نرگسِ بیمار باشم

دریدم خرقۂ زہد ریائی
گنہگارم بہ استغفار باشم

ہوس دارم زفیضِ لطفِ ساقی
کہ من خود قیمت دیدار باشم

اگر مسجد نہ سازد با دلِ من
زرسمِ دیر ہم بیزار باشم

دو عالم سوختم در ذوقِ مستی
زخود ہم در رہِ انکار باشم

"ھو الحق" نغمہ سازم رقص گیرم
خوشا انور اگر بردار باشم

همه فرزانگان دیوانه باشند
مرا گویند که دیوانه گشتم
ز دردِ هجر و فیضِ لطفِ ساقی
شرابِ عشق را پیمانه گشتم
برائے دولتِ حسنِ قبولش
جهان را از غمش افسانه گشتم
"هو الحق" را سرودی نغمه افروز
چه خوش مستانهٔ مستانه گشتم

ز سنگ اسود و بتخانہ گشتم
بیا اے ساقی میخانہ گشتم
نہ بودے بہ جمال خود فروشی
بہ شمع روئے او پروانہ گشتم
مرا چوں بود حرص مے پرستی
ز فیضِ چشم او مستانہ گشتم
شراب چشم میگوں شوق افزود
خرد بگذاشتہ دیوانہ گشتم
چو کامم از خودی دشوار دیدم
خودی بگذاشتہ پروانہ گشتم
بہ روئے صبح خیزانش فدایم
ز حرف بیخودی مستانہ گشتم
دو عالم سوختم اندر رہِ او
بصد دیوانگی فرزانہ گشتم

کفر و دین را چه کنم ملت جانان خوشتر
هیچ ایمان نه ورزیدم همین ایمان خوشتر

بسکه خود را بفروشم به هوای لطفش
قیمت جلوه مگر این قدر ارزان خوشتر

از خودی شوقِ گلی من نه پذیرفتم هیچ
بندهٔ عشق شدم ذوقِ گلستان خوشتر

گرد رویش همی رقصم که نثارش بادا
جان و دل را چه کنم جان پئے جانان خوشتر

یادِ جانان نه گذارد که کنم یاد کسے
هیچ ارمان نه پذیرم همی ارمان خوشتر

هیچ منت نه پذیرم ز مسیحِ مریم
انتظار نظرش درد را درمان خوشتر

چون بگفتم که به ارمانِ تو سوزد جانم
او بفرمود که جان را همی ارمان خوشتر

چون هیچ متاعم نیست جز جانِ فگار اولی
من رندِ خرابانم در رهن خمار اولی

ده هشت هزار عالم چون خاک درش باشد
از تاج و کله بر سر خاکِ درِ یار اولی

گر جان پی جانان شد سرمستی همی خیزد
زنار برهمن از تسبیح شمار اولی

جانان چون همی جستم اندر دیر و حرم رستم
از ساغر چشم او جانم بخمار اولی

با وصل همی سوزم در هجر همی میرم
این ذوق که من دارم از صبر و قرار اولی

آنکس که "انا الحق" زد بر دار شود از جا
این راز که می گویند با دشنه و دار اولی

گر جانِ نزارِ ما با او نرسد الوز
در یادِ عذار او گلگشت بهار اولی

خوش بود ہر دم بیادِ روئے جاناں زیستن
رسم و راہِ کفر و دیں را ہمچو طوفاں زیستن

از روا ج دیر و کعبہ جاں بسوزد در فراق
ایں چنیں تا کے سر دوارا پشیماں زیستن

مسجد و دیر و کلیسا ، ملت و ملک و وطن
بسکہ دشوار است انساں را ہم انساں زیستن

کس نہ اند کیں مذاق دردمند عشق چیست
گردِ شمع روئے جاناں فارغ از جاں زیستن

چوں زد بہ روئے تو ہمچو رم اے جانِ حیات
ہم در آتش مردن است اندر گلستاں زیستن

کس بجز انور نہ اند ایں مذاقِ عاشقی
بہرِ جاناں مردن و ہم بہرِ جاناں زیستن

آنکه ملت نه پذیرد نه پرستد ملکی
روز فردا دریں عالم همان انسان خوشتر

شکوه آلوده نه سزد در غم جانان کردن
درد خوش است و بے منت درمان خوشتر

ز دیر و مسجدے انکار بادا ہمہ عالم بپئے دیدار بادا

کنشت و دیر و مسجد را ہمہ سوز بہار او گل بے خار بادا

ز فیض جلوہ اش گم کردہ خویشم نثار او سر و دستار بادا

ہمیں ذوقم نہ خوفے در پذیرد ز استغفار استغفار بادا

اگر بر خاک پایش سر نہادی دلت از کفر و دیں بیزار بادا

نے اقرار کہ در ایں ذوق قصد ہمہ عالم بہ شوق یار بادا

به امیدی نشسته ام به راهی — به مسکین شهسوارا یک نگاهی

اگر تو جز حرم محرم نه بینی — پناهی زین حرم جویم پناهی

ز تعمیر کنشت و دیر و مسجد — همه ساده دلان سازند الهی

تو ای زاهد که حور و قصر خواهی — ثوابی جوئی با ذوق گناهی

ز من عذر گنه آخر چه پرسی — کرم از تو سزد از من گناهی

اگر از بیخودی ایمان دریدم — نظر دارم ز تو لطف نگاهی

دو عالم سوختم خود خاک گشتم — به شوق تو به امید نگاهی

من آزاد گناه و زجر تو هیچ — به بتخانه شدم چون بی گناهی

متاع عاشقان جز اینقدر نیست — همین اشک و تمنا جانی و آهی

دلم از پرتو جانان بر افروخت — به هستی خودم شد اشتباهی

به واعظ چشمکی کردم و رفتم — گنه بدتر که یا عذر گناهی

بسوزم کفر و دین بر شمع رویش — مرا زیبد نه هرگز رسم و راهی

به شوق او دلم الفور بگردید — ز دیر و مسجد و هم خانقاهی

الا یا ایها الساقی بہ مستی آر محفلہا
مذاقِ خود پرستی و خودی زیبد بہ دردلہا

من بشکستہ کشتی بہ ذوقِ امتحانِ خویش
ہمی نازم بہ طوفانے گذشتہ ام ز ساحلہا

ہماں بے رنگیٔ نور است کز فیضِ جمال او
بہ ہر فانوس رقصید است پروانہ بہ محفلہا

بہ دیر و مسجدے رفتم مذاقِ درد کم دیدم
ہمہ شیخ و برہمن یافتم گم کردہ منزلہا

چنیں بیخود شدہ انور کہ بر ہر زخم می رقصد
تو آں قاتل کہ خوش بینی بہ مقتل رقص بسملہا [1]

---

[1] ماخوذ از حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتیؒ بہ تغیر الفاظ